بھارتی مسلمانوں کو عدم تحفظ کا سامنا

ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی ○

ہندستان کے مسلم دور حکومت میں بھی راجوں، مہاراجوں اور سلاطین کے درمیان ملک کی توسیع اور ترقی کے لیے بڑی بڑی جنگیں ہوئیں، مگر دونوں فریقوں کے درمیان دین و مذہب اور ذات پات کے نام پر کبھی کوئی قابل ذکر ٹکراو نہیں ہوا۔ نہ تو غیر مسلموں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پائی جاتی تھی اور نہ مسلمانوں نے مذہبی اختلاف کی وجہ سے انھیں مقہور بنانے کی کوشش کی، نیز نہ کسی کو بہ جبر مسلمان بنایا گیا۔ اسی سے مسلم ہندستان، کثرت میں وحدت کا منظر پیش کرتا رہا۔

جب برطانوی سامراج کا زمانہ آیا تو اس نے 'تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو' کی پالیسی اختیار کی۔ اس مقصد کے لیے انگریزوں نے یہاں کی جو تاریخ رقم کی یا 'تاریخ سازی' کی، اس میں مسلم حکمرانوں کے تعلق سے من گھڑت باتوں کو وضع کیا اور پھر بڑھا چڑھا کر پیش کیا، تاکہ یہاں کی غیر مسلم آبادی کو یہ باور کرایا جاسکے کہ مسلمان تمھارے خیر خواہ نہیں ہیں۔ اور پھر جب مشترکہ کوششوں سے وطن عزیز انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوگیا اور معروضی حالات کے مطابق افہام و تفہیم سے ملک دو حصوں میں تقسیم ہوگیا، جن مسلمانوں نے بھارت میں رہنے کو ترجیح دی تھی، وہ عددی اعتبار سے اور کم ہو کر اقلیتی طبقات میں شمار کیے جانے لگے۔

۱۹۲۵ء میں فرقہ پرست جماعت راشٹریہ سیوک سنگھ (آر ایس ایس) وجود میں آئی۔ یہ اپنے ایک خاص مشن کے تحت شروع ہی سے اقلیتوں کے خلاف نفرت پھیلانے میں مصروف ہوگئی۔ جمہوری بنیاد پر بھارت کے آئین کی تدوین و تنفیذ ہوئی، تو اس میں اقلیتی طبقات کو بھی مساویانہ حقوق،

○ سابق صدر شعبہ دینیات، عالیہ یونی ورسٹی، کولکتہ

جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی ضمانت اور اپنے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی آزادی دی گئی، مگر روزِ اوّل سے آج تک زمینی حقائق اس کے برعکس ہیں۔ایک دانش ور نے خوب کہا: ''بھارت میں گذشتہ ۶۰ برسوں کا تجربہ بتاتا ہے کہ دستور کی دفعات کے حروف تو بہت سنہرے ہیں، مگر اقلیتوں کو مختلف شعبوں میں حکومت اور اکثریت کی طرف سے جو زخم لگے ہیں وہ بہت گہرے ہیں''۔

چاہے برسرِ اقتدار پارٹی کانگریس کا دور رہا ہو یا بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کا، دونوں نے اقلیتوں کے ساتھ انصاف روا نہیں رکھا۔اسی طرح جب جب بی جے پی نے اپنے آپ کو پھیلانے اور اقتدار میں جگہ بنانے کی کوشش کی ہے، تب تب ملک کے حالات بگڑے ہیں اور افراتفری مچی ہے۔ بالخصوص مسلم اقلیت نشانے پر رہی ہے۔ اس وقت عمومی صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمان ملک کے کسی بھی حصے میں محفوظ اور مامون نہیں ہیں۔ان کی آزادی پر بندش لگائی جاتی ہے، مذہب پر عمل کرنے سے روکا جاتا ہے، گھروں کو لوٹا اور کاروبار کو نذرِ آتش کیا جاتا ہے، چلتے پھرتے ان پر فقرے کسے جاتے ہیں، 'وندے ماترم' کا ورد نہ الاپنے والوں کو وطن دشمن قرار دیا جاتا ہے، یا 'جہاد سے محبت کرنے والا' کہہ کر زدوکوب کیا جاتا ہے۔'گھر واپسی کے نام' پر مرتد بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مسلمانوں پر حصولِ روزگار کے دروازے بند کیے جاتے ہیں، سرکاری مراعات سے محروم کیا جاتا ہے۔تعلیم سے دُور رکھنے کے لیے منفی پالیسی اختیار کی جاتی ہے۔ مدارس کی جدید کاری کے نام پر مسموم فضا ہموار کی جاتی ہے۔ بے بنیاد الزامات لگا کر عرصۂ حیات تنگ کیا جاتا ہے۔سنگین جرم کوئی دوسرا انجام دے اور بڑی خوش اسلوبی سے اسے مسلمانوں کے سر منڈھ دیا جاتا ہے۔تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دہشت گردی کے نام پر پھنسایا اور کال کوٹھڑی میں بند کر دیا جاتا ہے۔جرم ثابت نہ ہونے کی صورت میں جعلی مقابلے میں گولیوں سے اُڑا دیا جاتا ہے۔عبادت گاہوں کو مسمار کیا جاتا ہے۔ اذان پر پابندی لگائی جاتی ہے۔زبردستی مسلمانوں کی پیشانی پر قشقہ لگا دیا جاتا ہے ہے۔ٹوپی پہننے اور داڑھی رکھنے سے روکا جاتا ہے۔دورانِ سفر ریلوں اور بسوں میں بے ہودگی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔عزت و آبرو پر حملے کیے جاتے ہیں۔ برقعہ پوش خواتین کا نقاب اُتروا کر سرِ راہ شرمندہ کیا جاتا ہے۔مسلم پرسنل لا پر حملہ کیا جاتا ہے، تعدد ازواج کے مسئلے کو غلط رنگ میں پیش کیا جاتا ہے، تین طلاق کے نام پر لوگوں کو ورغلایا جاتا ہے۔معصوم اور سیدھی سادی عورتوں کو روپے کا لالچ دے کر مذہب

تبدیل کروایا جاتا ہے۔ یکساں سول کوڈ کا پابند بنانے کے لیے فضا ہموار کی جاتی ہے۔ گائے کی تجارت کرنے والوں کو موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے۔ مختصراً یہ کہ اس وقت بالخصوص مسلمانوں کو عدم تحفظ اور خطرات کا جو سامنا ہے، اس کی وضاحت کہاں تک کی جائے ؂

ایک دو زخم نہیں جسم ہے سارا چھلنی
درد بے چارا پریشاں ہے کہاں سے اٹھے

'سب کا ساتھ سب کا وکاس' [ترقی] کے نعرے کے ساتھ بھارتیہ جنتا پاٹی اقتدار میں آئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ملک کا منظر نامہ بدل گیا۔ ادھر اتر پردیش کی سیاست میں تبدیلی کیا آئی پورے ملک میں افراتفری مچی ہوئی ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں: مودی جی سے آگے یوگی جی چل رہے ہیں۔ ٹی وی چینلوں اور سوشل میڈیا پر جو مناظر سامنے آتے ہیں، ان سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ فسطائی طاقتوں کے حوصلے اتنے بلند ہوگئے ہیں کہ ہر طرف کشت وخوں کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ ان کی نگاہ میں ملک کے آئین اور قانون کی کوئی وقعت نہیں، بلا خوف وخطر یکے بعد دیگرے شہر اور گاؤں کو فرقہ واریت کی آماج گاہ بناتے جارہے ہیں۔ کوئی باز پُرس کرنے والا نہیں اور قانون کے رکھوالے بھی تماشائی بن گئے ہیں یا انھیں بے بس بنا دیا گیا ہے۔ جو حکومت سے جتنا زیادہ قریب ہے، وہ اتنا ہی زیادہ ملک میں مجرمانہ عمل انجام دینے کو فخر سمجھتا ہے۔

آزادی کے بعد سے لے کر ۲۰۱۳ء تک بھارت میں بڑے بڑے درجنوں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ جن میں زیادہ تر مسلمانوں یا دوسری اقلیتوں کا ہی ناقابل تلافی جانی ومالی نقصان ہوا ہے اور وہ انصاف سے محروم رہے ہیں۔ فسادات کے برسوں بعد بھی خونیں بلوائیوں اور قاتل قوم پرست ہندوؤں کے خلاف مقدمہ شروع نہیں ہوا ہے، کیوں کہ تفتیش اب بھی ابتدائی مراحل میں ہے۔ ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے کہ اقلیتوں کو دوسرے درجے کا شہری بنا کر رکھا جائے۔

بھارتی وزیر اطلاعات کے مطابق ۲۰۱۵ء کے ابتدائی آٹھ مہینوں میں فرقہ وارانہ تشدد کے ۶۰۰ واقعات رُونما ہوئے۔ ۲۰۱۶ء کے ابتدائی چھے مہینوں میں ۲۵۲ فسادات ہوئے، جس میں اُتر پردیش سرفہرست ہے۔ یہاں جنوری تا اگست ۲۰۱۵ء میں سب سے زیادہ ۶۸ فی صد فسادات رُونما ہوئے جن میں متعدد افراد کی ہلاکت اور ۵۰۰ زخمی ہوئے۔ اسی طرح ۲۰۱۶ء میں ۳۳ فرقہ وارانہ

وارداتیں ہوئیں۔ مہاراشٹرا میں ۲۰۱۵ء کے درمیان فرقہ وارانہ تشدد کے ۵۹، جب کہ ۲۰۱۶ء میں ۹ واقعات ہوئے۔ بہار میں جنوری تا جون ۲۰۱۵ء فرقہ وارانہ تشدد کے ۶۱ اور ۲۰۱۶ء میں ۲۱ واقعات رُونما ہوئے۔ گجرات میں جنوری سے جون ۲۰۱۵ء تک فرقہ وارانہ تشدد کے ۲۵ واقعات ہوئے اور ۲۰۱۶ء میں ۶۷ واقعات ہوئے۔ علاوہ ازیں دوسری ریاستوں کی صورتِ حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ شہر کی گود میں فسادات پل رہے ہیں یا فسادات کی گود میں شہر۔ کسی نے بہت خوب صورت تبصرہ کیا ہے: ''ہم ہندستان کے جغرافیے سے فسادات کے ذریعے واقف ہوتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ کون سا مقام اور کون سا شہر کہاں ہے''۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ تشدد کے یہ واقعات حادثاتی نہیں بلکہ دانستہ اور پوری منصوبہ بندی کے ساتھ کرائے جاتے ہیں اور اس میں پولیس کا کردار بھی جارحانہ اور یک طرفہ ہوتا ہے۔

انتخابات کے موقعے پر ٹیکنیکل مشین کے ذریعے قبل از وقت طے کر دیا جاتا ہے کہ ملک کا سیاسی رہنما کون ہوگا۔ المیہ یہ بھی ہے کہ عوام اپنا سیاسی رہنما ایسے ہی لوگوں کو منتخب کرنے کی ڈگر پر چل نکلے ہیں، جو کچھ زیادہ ہی مجرمانہ ذہنیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اب تو عوامی حق رائے دہی بھی بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ بیش تر ریاستوں میں حکمران پارٹی کے لوگ براہ راست یا بالواسطہ قیادت سنبھالے اسی طرف گام زن ہیں۔ ہندوتوا کے علَم برداروں نے انھیں اپنی گرفت میں اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ وہ اس سے الگ ہو کر کوئی مثبت عمل انجام دینے کی آزادی کم کم ہی پاتے ہیں۔ اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ آئین ہند کے دیباچے کے مطابق جہاں برابری، بھائی چارہ اور انصاف کو بروے کار لانے پر زور دیا گیا ہے، اس کو رُوبہ عمل لائیں گے۔

بابری مسجد کے انہدام اور رام مندر کی تعمیر کو لے کر جو گندی سیاست ہو رہی ہے، اس سے ہر کوئی واقف ہے۔ خود اعلیٰ عدلیہ بھی آنکھ مچولی کھیل رہی ہے۔ اب پھر سے اس مسئلے کو ہوا دی جا رہی ہے، جس کی وجہ سے خطرات وخدشات کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی اسی مسئلے کو ہوا دے کر یہاں تک پہنچی ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کی ہے کہ اقتدار میں آنے کے لیے بی جے پی نے ہمیشہ رام مندر کے مسئلے کو اپنے ایجنڈے میں غیر معمولی اہمیت دی، جس کا اسے براہِ راست فائدہ ہوا اور اس سے ملک کا ماحول کچھ زیادہ ہی مکدر ہوا ہے:

فرقہ وارانہ منافرت کو ہوا دینے کے لیے مذہبی جذبات کے استحصال کی روایت پرانی ہے، مگر پچھلے چند برسوں سے جو رجحان دیکھنے میں آیا ہے، وہ یہ ہے کہ مذہبی فرقوں کے درمیان تناؤ کو عسکریت پسند عناصر، جرائم پیشہ افراد اور سیاست دان بھی استعمال کرنے لگے ہیں۔ اس نئے رجحان نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خلیج کو بڑھایا ہے۔

معاشی اعتبار سے مسلمانوں کو کم زور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ تعلیمی میدان میں بھی مسلمان کم زور ہیں اور جو بچے کچھ کرنے کا عزم و حوصلہ رکھتے ہیں، ان کو بھی بعض اوقات کامیابی حاصل کرنے میں دشوار کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور کبھی مایوسی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ پرائمری اور سیکنڈری سطح پر انھیں تعلیم کی سہولیات میسر نہیں ہیں۔ غربت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ بعض گھروں میں فاقہ کشی تک کی نوبت آجاتی ہے۔ 'جسٹس سچر کمیٹی' اور دوسری رپورٹ میں بالخصوص مسلم اقلیت کی مفلوک الحالی اور تعلیم کی تشویش ناک صورتِ حال کی جو وجوہ بیان کی گئی ہیں، اس میں سدھار لانے کی حکومت کو ذرہ برابر فکر نہیں ہے، مگر اندرون خانہ مسلمانوں میں کیا ہوتا ہے اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر باہر لایا جاتا اور اسے منفی انداز میں پیش کر کے مسلمانوں کا تشخص بگاڑا جاتا ہے۔

مذہبی آزادی ہر کسی کا فطری اور آئینی حق ہے۔ اس کے باوجود مذہبی معاملات میں مداخلت کی جاتی ہے۔ پوری طاقت کے ساتھ تعلیمی اداروں کو برہمنی غسل دیا جارہا ہے۔ نصابی کتابوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے بیج بوئے جارہے ہیں۔ مزید برآں 'وندے ماترم' کو ہر کسی کے لیے لازم کیا جارہا ہے۔ دلیل یہ دی جاتی ہے کہ یہ ہندو راشٹر ہے، اس سے وطن کا تقدس ظاہر ہوتا ہے۔ کیا اسی طرح سے ملک کی ترقی ہوسکتی ہے؟

مسلم اقلیت کو خوف و ہراس میں مبتلا کرنے کے لیے آئے دن ایک نہ ایک نیا مسئلہ چھیڑ دیا جاتا ہے، جس کو مفاد پرست میڈیا بھی لے اڑتا اور اسے بڑے پیمانے پر توڑ مروڑ کر نشر کرتا ہے۔ جس سے بعض اوقات دو مذاہب کے ماننے والے آپس میں ٹکرا جاتے ہیں۔ اس کی واضح مثال مسلمانوں کے مسلم پرسنل لا پر رہ رہ کر حملہ کرنا ہے۔ اکثریتی طبقات میں جو سماجی و معاشرتی بگاڑ پایا جاتا ہے، اس کی اصلاح کی کوئی بات نہیں کرتا، مگر مسلمانوں کے پرسنل لا کو سدھارنے کی فکر ہر کسی کو ستاتی رہتی ہے۔ ہما شما بھی اس مسئلے میں 'مجتہد اعظم' بننا چاہتا ہے۔ برسرِ اقتدار پارٹی کو مسلم عورتوں

کی بہتر تعلیم اور اس کے روزگار کی کوئی فکر نہیں، مگر تین طلاق کے نام پر مسلمانوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ پرانی رپورٹوں کو تو چھوڑ ہی دیجیے، چند روز قبل RTI کے ذریعے حاصل کی گئی معلومات میں بھی یہ انکشاف ہوا ہے کہ ۲۰۱۲ء سے ۲۰۱۵ء کے درمیان مسلمانوں میں ۱۳۰۷ رطلاق کی درخواستیں درج کی گئی ہیں، جب کہ ہندوؤں میں ۱۶ہزار ۵ سو ۵ ریکارڈ کی گئی ہیں۔ عیسائیوں میں ۴ہزار ۸ سو ۲۷ اور سکھوں میں ۸ طلاق واقع ہوئی ہیں۔ یہ اعداد وشمار پورے ملک کے نہیں، بلکہ جنوبی ہند کی مختلف ریاستوں کے صرف آٹھ کثیر آبادی والے اضلاع کے ہیں۔

حکومت کے ایجنڈے میں ہزاروں مطلقہ ہندو خواتین کو سہارا دینے کی بات شامل نہیں ہے، مگر صرف ۱۳۰۷ مسلم خواتین کی 'درماندگی' سے حکومت کے ڈھانچے میں زلزلہ آیا ہوا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ اگر اس کا حل نہیں نکالا گیا تو پورے بھارت میں زلزلہ آجائے گا۔ لیکن جب بات مسلم معاشرے میں طلاق وتفریق کی تشویش ناک صورت حال کی ہوگی، جو اگرچہ ایک مفروضہ ہی ہے، تو ہندو سماج میں اس حوالے سے جو بے اعتدالی پائی جاتی ہے، جس سے بہت کم لوگ واقف ہیں، اس پر بھی کھل کر بحث ہونی چاہیے۔ ہندوؤں میں مذہبی امتناع کے باوجود طلاق وتفریق کی بہ کثرت درخواستیں جمع ہوتی ہیں۔ تعدد ازواج کے معاملے میں بھی ہندو معاشرہ مسلمانوں سے بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اس ترقی یافتہ دور میں بھی بعض ہندو سوسائٹی میں کثیر شوہری کا رواج پایا جاتا ہے۔

حکومت کے اعلیٰ ذمہ داران جلسہ وجلوس میں کھلے عام اقلیتوں کو دھمکاتے اور بعض اوقات تیکھا مشورہ دیتے ہیں کہ ''یا تو اکثریتی طبقے کا دھرم قبول کرلیں، یا ترک وطن کرلیا جائے''، نیز ''اگر مسلمان یکساں سول کوڈ کو نہیں مانیں گے، تو وہ حق رائے دہی سے دست بردار ہوجائیں''۔ اس طرح کی لغویات کا مطلب ہی خوف وناامیدی پیدا کرنا ہے۔ دراصل حکمران جماعت کی پالیسی یہی رہی ہے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کسی نہ کسی مسئلے میں الجھائے رکھو، تاکہ وہ اپنی فلاح وبہبود کے تئیں کچھ نہ کرسکیں۔

تاہم، مسلمان عارضی حوادث سے ڈر کر اپنے دین وایمان کا سودا کرنے والا نہیں ہے۔ فرقہ پرست طاقتوں اور شرپسند عناصر کو چاہیے کہ وہ مسلمانوں کی نفسیات کو سمجھیں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمانوں پر جب بھی کوئی مصیبت آتی ہے، تو ایسے نازک وقت میں ان کا ایمان اور بھی مضبوط ہوجاتا اور اس میں پختگی آجاتی ہے، جس سے انھیں اپنے عزائم پر قائم رہنے میں بڑھاوا ملتا

ہے۔ آزادی کے بعد سے لے کر آج تک نہ جانے کتنے ہی مسلمانوں کو قتل و غارت کیا گیا، ان کے گھر بار کو لوٹا گیا، ہنگامے کیے گئے، لیکن ان میں کوئی بھی ایسا بدبخت مسلمان نہیں نکلا ہوگا، جو یہ کہے کہ تم ہمارے اُوپر سے مظالم کو روک لو، ہم اپنے دین و مذہب سے دست بردار ہوجاتے ہیں۔ مسلمان نیک عمل کے اس معیار پر، جس کو اسلام پیش کرتا ہے، اگرچہ نہ اترتا ہو، مگر جہاں تک اس کے دل کے اندر ایمان کا تعلق ہے، تو ایک مومن کے اندر اس کی مضبوطی اور استقامت موجود ہے۔

مسلمانوں کو اس بات کی بھی جدوجہد کرنی چاہیے کہ بین الاقوامی قانون اور خود ملک کے آئین نے اقلیتوں کو جن حقوق سے نوازا ہے، ان کے حصول کی کوشش، آئین کی روشنی اور قانون کے دائرے میں رہ کر ہی ہو۔ کیوں کہ دستور کی حفاظت اور قانون کا احترام بھی لازمی ہے۔ مزید برآں بلاتفریق مذہب وملت ہر کسی کو آئین میں دیے گئے حقوق سے واقفیت اور اس سے دوسروں کو بھی متعارف کرانے کی شدید ضرورت ہے۔

یہ وقت باہمی انتشار کا نہیں، اتحاد کا متقاضی ہے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ مسلمان بکھرے ہوئے ہیں اور ان کا کوئی متحدہ پلیٹ فارم بھی نہیں ہے۔ غیر ذمہ دارانہ اور لاشعوری زندگی سے کنارہ کش ہونے، مضبوط اور دوررس لائحہ عمل تیار کرنے کے لیے مسلمانوں کو متحد ہونا ہی پڑے گا۔ اگر اتنے شدید بحران سے دوچار مسلمان صرف انتخابات کی تاریخ کا اعلان ہونے کے بعد ہی جاگنے کی کوشش فرمائیں گے، تو اُن کا جاگنا سونا ایک برابر ہے۔ آر ایس ایس، بجرنگ دل، ویشواہندو پریشد، بی جے پی جیسی فرقہ پرست جماعتوں نے اپنے منفی نظریات کو تھوپنے میں طویل عرصہ لگا دیا اور ساری توانائی صرف کردی۔ کیا مثبت عمل کو انجام دینے اور فسطائی طاقتوں کو پسپا کرنے کے لیے مسلمانوں میں اتحاد نہیں ہوسکتا؟ کیا وہ اپنے اخلاق و کردار سے برادرانِ وطن کا دل جیت نہیں سکتے؟ مسلک و مشرب سے بالاتر ہوکر صرف کلمۂ واحدہ کے نام پر مسلمان متحد ہوگئے اور من جانب اللہ انسانیت کی فلاح کی ان پر جو ذمہ داری عائد کی گئی ہے، اس پر عمل کر کے اپنے فرائض کو انجام دینے لگے، تو گو آج وہ سماجی اور سیاسی سطح پر بے وقعت ہوگئے ہیں، لیکن بہت جلد ان کی حیثیت تسلیم کر لی جائے گی اور ان کی عظمت رفتہ بحال ہوجائے گی۔